ملک حسن علی جامعی (بی اے)

امامِ انقلاب؛ مولانا عبید اللہ سندھیؒ

صداقت مجسم، پیکرِ اخلاص، جرأت و دیانت اور بے خوفی کا مجسمہ، عزم و ہمت کا سنگِ میل، ایک نابغہ روزگار عالم جس نے برطانوی سامراج کے خلاف عالمی محاذ قائم کرنے کے لیے گوناگوں مصائب برداشت کیے، ہندوستان کیسے آزاد ہوا، پاکستان کیسے بنا؟ اس کا معلوم کرنا ہر نوجوان کا فرض ہے، تحریکِ آزادیٔ ہند کے اس نڈر مجاہد کے مختصر حالات و کوائف پیش خدمت کرتا ہوں۔

خاندانی حالات:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی میں پیدا ہوئے۔ مطابق ۱۲ محرم ۱۲۸۹ ہجری شب جمعہ قبل صبح پیدا ہوئے۔ باپ ولادت سے پہلے فوت ہو چکے تھے خاندانی پیشہ زرگری تھا۔ والد کا نام رام سنگھ ولد جسپت رائے ولد گلاب رائے ہے۔ بڑی ہمشیرہ کا نام جیونی تھا۔

آپ کے دو ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پٹواری تھے۔ اس یتیم بچے کو والدہ انہی کے پاس لے گئی۔ جام پور کے اردو مڈل سکول میں ۱۸۷۸ء میں تعلیم شروع کی۔ رحمتِ خداوندی نے مساعدت کی ۱۸۸۴ء میں سکول میں ایک آریہ سماج لڑکے سے ایک کتاب تحفۃ الہند مطالعہ کے لیے ملی۔ اس کے بعد حضرت شاہ شہید کی کتاب "تقویۃ الایمان" کا مطالعہ کیا۔ پھر حافظ لکھوی کی کتاب "احوال الآخرۃ" ایک مولوی صاحب سے ملی۔ دل کے دریچے کھل

گئے۔ نورِ ایمان قلب میں گھر کر گیا یہی کتابیں اظہار اسلام کا باعث بنیں۔

۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو گھر سے بہ ہمراہی ایک رفیق عبدالقادر نکل کھڑے ہوئے۔ کوٹلہ رحم شاہ ضلع مظفر گڑھ کے عربی مدرسہ میں پہنچ گئے۔

یہاں سے حافظ محمد صدیق بھر چونڈی والے کی خدمت میں پہنچے حضرت حافظ محمد صدیق نے مولانا کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ حافظ محمد صدیق کے ایک خلیفہ ابوالسراج غلام محمد دین پور میں رہتے تھے۔ کچھ مدت ان کی خدمت میں رہے۔ رجب ۱۳۰۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ رجب ۱۳۰۸ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے سند فراغت عطا فرمائی۔ وہاں سے ابوالحسن تاج محمود کے پاس امروٹ ضلع سکھر چلے گئے۔ آپ کے سرپرست حافظ محمد صدیق وفات پا چکے تھے۔ مولانا تاج محمود نے اپنے مرشد کا وعدہ پورا کیا۔ یعنی بمنزلہ باپ کے وہی سلوک قائم رکھا۔ مولانا عبیداللہ کی والدہ کو بلایا شادی کی اور مطالعہ کے لیے کتب خانہ مہیا کیا ۱۳۱۵ھ تک وہیں رہے۔

۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دیوبند میں جمعیت الانصار بنائی، ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء کو دہلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کی بنیاد رکھی۔ جس کے سرپرست حکیم اجمل خان تھے۔ نظارۃ المعارف کی سرپرستی میں حکیم اجمل خان کے ساتھ نواب وقار الملک بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی تعارف ہو گیا۔

۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء مطابق ۴ شوال ۱۳۳۳ھ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے تاریخی مشن پر مولانا عبیداللہ سندھیؒ کابل تشریف لے گئے۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء تک کابل رہے۔ آپ کا مقصد ہجرت صرف یہ تھا کہ افغانستان کو انگریزی سلطنت کے خلاف کھڑا کیا جائے اور بالخصوص جب کہ انگریز ترکی اور جرمنی سے الجھے ہوئے ہوں۔ اس وقت افغانستان کو حرکت میں لایا جائے تاکہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے امکانات پیدا ہو جائیں۔

۱۹۲۲ء میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ روس پہنچے۔ ماسکو میں صرف سات آٹھ ماہ

رہے وہاں انڈین نیشنل کانگریس کے رکن کی حیثیت سے رہے ۱۹۲۳ء میں آپ ترکی چلے گئے ساڑھے تین سال آپ ترکی میں رہے۔ یہاں کمال اتاترک کی حکومت تھی۔ ترکی سے سرزمین حجاز آئے۔ یہاں ابن سعود کی حکومت تھی۔ ۱۲ سال مکہ معظمہ میں رہے غرضیکہ ۲۵ سال پردیس میں گزارے۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس آئے۔

افغانستان کے دوران قیام میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنی پارٹی سے مل کرانگریزوں کی مخالفت اور ہندوستان کی آزادی کے لیے کئی منصوبے تیار کیے۔ انگریزی کی حکومت کا تختہ الٹنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فردگزاشت نہ کیا۔ افغانستان میں مولانا کے رفقاء کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) مولوی محمد بشیر امیر المجاہدین مرحوم (۲) مولوی فضل الہٰی وزیرآبادی مرحوم (۳) مولانا محمد منصور انصاری مرحوم دیوبندی۔ اصل نام محمد میاں (۴) مولانا عزیز گل پشاوری فاضل دیوبند (۵) ڈاکٹر متھرا سنگھ ممبر غدر پارٹی (۶) مولانا برکت اللہ (۷) پروفیسر جوت رام کرپلانی سندھی (۸) راجہ مہندر پرتاپ (۹) لالہ ہردیال (۱۰) راجکمار (۱۱) مولانا عبدالباری بی اے مہاجر کابل رفیق ڈاکٹر متھرا سنگھ (۱۲) مولوی نجف علی (۱۳) ڈاکٹر عبدالغنی (۱۴) مولوی محمد علی ایم اے کینٹب قصوری (۱۵) مولانا سیف الرحمن دیوبندی (۱۶) ڈاکٹر شجاع الدین (برادر شیخ عظیم اللہ ایڈوکیٹ و جنرل سیکرٹری انجمن (۱۷) ڈاکٹر خوشی محمد سٹوڈنٹ میڈیکل کالج لاہور ـــــ

نوٹ:۔ ڈاکٹر خوشی محمد نے اپنا دوسرا نام مرزا محمد علی رکھ لیا ہے)۔ کابل سے مرزا محمد علی روسی اشتراکی مشن کا مسلمان ممبر بناکر بھیجا گیا تھا۔ (۱۸) مولوی عزیز احمد مولانا احمد علی لاہوری کے برادر خورد ہیں اور رشتہ میں مولانا عبیداللہ کے بھتیجے ہیں اور آج کل کراچی میں مقیم ہیں۔

ڈاکٹر متھرا سنگھ ایک بم کیس میں مفرور تھا۔ روس نے اس مشن کو جو روس جا رہا تھا سرحد پر گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ ڈاکٹر متھرا سنگھ اس میں تھا، انگریزوں نے اسے پھانسی دے دی تھی۔

مولانا عبدالباری بوساطت سر محمد شفیع معافی مانگ کر رہا ہو گیا۔ شیخ محمد ابراہیم

اور مولانا محمد علی ایم اے ایک سازش کے سلسلے میں حبیبیہ کالج کابل سے نکالے گئے وہاں سے آزاد قبائل میں شیخ محمد ابراہیم حاجی ترنگ زئی کے پاس پہنچ گئے اور پشتو سیکھ کر دین کی خدمت میں لگ گئے۔

مولانا محمد علی قصوری کچھ عرصہ مجاہدین میں رہے۔ اپنے والد مولانا عبد القادر قصوری کی کوشش سے ہندوستان واپس آگئے۔

مجاہد کبیر حاجی ترنگ زئی کا بڑا لڑکا بادشاہ گل ہے۔ انگریزوں کے خلاف قبائلی لشکروں کی قیادت، بادشاہ گل ہی کیا کرتا ہے اور اپنے والد کے دوش بدوش لڑا کرتا تھا۔ حاجی ترنگ زئی کا ہیڈ کوارٹر غازی آباد کہلاتا تھا۔

مولانا عزیر گل قصبہ زیارت کا کاخیل ضلع پشاور کے باشندہ ہیں۔ دار العلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہند کے خادم خاص ہیں۔ حضرت شیخ الہند کے مشن تحریک آزادی ہند کے ممبر خاص ہیں، انہوں نے نہایت خطرناک کام سر انجام دیے۔ صوبہ سرحد اور علاقہ یاغستان کے پہاڑی علاقوں اور ہولناک راستوں کو قطع کر کے حضرت شیخ الہند کے ہم نوا اور ہم خیال لوگوں تک پیغام رسانی ہی کرتے تھے۔

ہندوستان کی آزادی پسند جماعتوں کے چند افراد کابل میں جمع ہوئے۔ کوئی بلوچستان کے راستہ آیا۔ کوئی سرحدی علاقہ کے پہاڑوں اور جنگل کو عبور کر کے پہنچا۔ کوئی یورپ کا چکر کاٹ کر ایران کے دشت و بیابان سے گزرا۔ حکومت افغانستان نے ہمدردی کی۔ ان لوگوں نے کابل کو تحریک آزادی ہند کا مرکز بنا لیا۔ زارِ روس نے اس مرکزی کارروائیوں سے حکومت برطانیہ کو مطلع کیا۔ کچھ کاغذات بھی پکڑ لیے گئے چونکہ امیر حبیب اللہ والی کابل گورنمنٹ برطانیہ سے اٹھارہ لاکھ روپیہ بطور وظیفہ سالانہ لیا کرتا تھا۔ گورنمنٹ برطانیہ نے امیر حبیب اللہ کو آمادہ کر لیا کہ وہ ان لوگوں کو اپنی مملکت سے نکال دیں۔ اس نے بعض کو افغانستان سے رخصت کر دیا۔ بعض کو نظر بند کر دیا۔ اور کچھ لوگ گرفتار کر لیے گئے۔

افغانستان میں بھی انقلاب کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ اسی انقلاب کے نتیجے میں ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ قتل ہو گئے اور اعلیٰ حضرت امان اللہ خان تخت افغانستان پر متمکن

ہوئے۔امیر حبیب اللہ کے عہد کے تمام سیاسی قیدی رہا ہو گئے۔

امیر امان اللہ کے عہد میں مولانا عبید اللہ نے کابل میں کانگریس کمیٹی جس کا الحاق ڈاکٹر انصاری کی کوششوں سے کانگریس کے گیا سیشن نے منظور کر لیا۔

قیام مکہ معظمہ :

مولانا عبید اللہ ۱۳۴۵ھ میں اٹلی کے راستے مکہ معظمہ پہنچے۔ حجاز گورنمنٹ کو آپ نے یقین دلایا تھا کہ وہ کسی قسم کا سیاسی پروپگنڈا نہیں کریں گے۔ مکہ معظمہ میں آپ ۱۲ سال قرآن عظیم اور حجۃ اللہ البالغہ کا بنظر عمیق مطالعہ کرتے رہے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ کی جملہ مشہور کتابوں مثلاً بدور البازغہ، خیر کثیر، تفہیمات الٰہیہ وغیرہ کا بنظر عمیق مطالعہ کیا۔ ہندوستان سے اخبارات و رسائل اور کتابیں آپ کو پہنچتی رہیں۔ ہزارہا ہندوستانی مسلمان حج کے موقعہ پر آپ سے ملتے اور آپ کے علمی افکار اور سیاسی طریق کار سے فائدہ اٹھاتے۔

۱۹۳۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے آپ کی واپسی کی کوشش کی، یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو پاسپورٹ کا فیصلہ ہوا۔

موسیٰ جار اللہ روسی تاشقندی عالم حضرت مولانا کی خدمت میں

علامہ جار اللہ روسی تاشقندی عالم نے جو علوم دینیہ میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ شیخ الحدیث کے پایہ کے تھے اور سیاسیات میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ہم پلہ تھے مکہ معظمہ میں مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمت میں زانوائے شاگردی تہ کیا۔ اپنی کتابوں میں اعتراف کیا ہے کہ وہ تفسیر قرآن میں مولانا عبید اللہ کے شاگرد ہیں۔ موسیٰ جار اللہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں ایک کتاب "الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن" (۱۳) کے مقدمہ میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

" انی کنت ذھبت لقصد السیاحۃ الی النجد والیمن ادرکت فی حرم مکہ الامام العبید اللہ السندی متع اللہ بطول حیاتہ وافادہ برکاتہ "

طلبا، الاسلام واساتذة الهند- کان الامام السندی یفسر القرآن الکریم فی فلسفة امام ولی اللہ دھلوی احترم الامام کا حترام الصحابه للنبی صلعم قرأت عندہٗ حجة اللہ البالغه وازالة الخفا، فی تاریخ الخلفا واستفدت من کتابیه استفادة واسعة، قرأت عندہٗ عبقات والخیر الکثیر وطاعات تفہیمات الالہیہ۔"

ترجمہ:۔ موسیٰ جار اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

جب میں نے سیاحت کی غرض سے نجد اور یمن کا قصد کیا۔ تو حرم مکہ میں، میں نے امام عبید اللہ سندھی سے ملاقات کی۔ اللہ تعالیٰ طلباء اسلام اور اساتذہ ہند کو ان سے بہرہ مند کرے، امام عبید اللہ حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کرتے ہیں۔ اور امام ولی اللہ کا بہت احترام کرتے ہیں۔

میں نے حجۃ اللہ البالغہ اور ازالہ الخفاء دو کتابیں ان سے پڑھیں اور ان دونوں کتابوں سے وسیع استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ عبقات اور خیر کثیر بھی پڑھی۔

جہاز سے اترتے وقت پہلا خطاب:

۱۹۳۹ء کو جب جہاز سے اترے تو خیر مقدم کرنے والوں کو یوں خطاب کیا۔

عزیزان گرامی! ۱۹۱۶ء میں حضرت شیخ الہند نے مجھے افغانستان بھیجا تھا۔ باہر رہ کر اسلام کی اور مسلمانوں کی جو خدمت کر سکتا تھا کی، میرے سامنے پہاڑ آئے شکست کھا گئے، موت آئی وہ بھی شکست کھا گئی۔

میں ان سپہ سالاروں کا بھی رفیق رہا ہوں جنہوں نے دنیا کے بڑے بڑے معرکے سر کیے۔ آپ میری باتوں کو وقتی تاثرات اور عارضی ہیجانات نہ سمجھیے گا، میرے پیچھے تجربات کی ایک وسیع دنیا ہے۔ میں آپ سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا۔

میرے افکار وقف عام ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ میری زندگی کے آخری دن بیت اللہ میں ختم ہوں۔ جو رحمتوں سے بھری ہوئی سرزمین ہے۔ میں جب سے اپنے ملک سے نکل کر آیا ہوں، یورپ سے انقلاب اٹھ رہے ہیں۔ اس کی خبر دینے کے لیے ہندوستان آیا ہوں۔ اگرچہ مجھے ہندوستان آکر اپنے دشمنوں کے سامنے جھکنا پڑا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو آپ سے یوں باتیں بھی نہ کر سکتا۔ جن چیزوں کو میں نے جانکاہیوں اور کاوشوں سے حاصل کیا ہے۔ اس کو راز سربستہ کی طرح قبر میں اپنے ساتھ لے جاتا۔ اس میں آپ لوگوں کے لیے دین اور دنیا دونوں کی بھلائی تھی۔ اب میں چراغ سحری ہوں۔ چاہتا ہوں مرنے سے پہلے اس پیغام کو ہندوستان کے نوجوانوں کے کانوں تک پہنچا دوں۔ اگر یہی حالات رہے مجھے خطرہ ہے بنگال تقسیم نہ ہو جائے۔ اس انقلاب کی لپیٹ میں آنے سے پہلے میں یورپ کے انقلابات کا پیغمبر بن کر ہندوستان آیا ہوں۔ عنقریب وہ دن دور نہیں جب برطانیہ اور امریکہ والوں کو بھی اپنوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

۱ اس انقلاب کو قیامت سے کم نہ سمجھیے گا یہ حشر برپا کر کے رہے گا۔ میں نے بڑے بڑے امراء کو اور بڑے بڑے علماء کو در بدر بھیک مانگتے دیکھا ہے۔ عزتوں کو بکتے دیکھا ہے۔ میں ایسے ایسے طوفان اٹھتے دیکھ رہا ہوں جس کے سامنے طوفان نوحؑ کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔

اب طوفان کو اٹھتے ہوئے زیادہ دیر نہ لگے گی۔ تمہارے علماء ہیں، ان کی نظریں کتابوں تک محدود ہیں۔ وہ باہر کی دنیا کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ جن علوم کو وہ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ اس اعتبار سے نہ ان میں زندگی کی کوئی رمق اور حرارت باقی ہے۔ نہ پڑھنے والوں میں رمق اور حرارت پیدا کرتے ہیں۔ تمہارے سیاستدان جو بڑی بڑی سکیمیں بناتے ہیں۔ وہ اغراض و مصالح پر مبنی ہیں۔

عوام کو تم نے چارپایوں کے درجے پر رکھ چھوڑا ہے۔ قرآن حق ہے۔ انجیل حق ہے۔ تورات حق ہے۔ اگر انجیل کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے یہودی کافر ہو سکتا ہے

تو اس ملک کا ملا قرآن کو غلط رنگ میں پیش کرنے سے کیسے مسلمان رہ سکتا ہے ؟
اب انقلاب کی گھڑی قریب آ چکی ہے سنبھلو، ورنہ مٹا دیے جاؤ گے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کل ایک طبقہ قوت و اقبال کا مالک تھا۔ کسان اور مزدور جو کماتے ان کو کھانے کو نہ ملتا۔ جو اس کی کمائی کھاتا۔ وہ کمانا ذلت کا نشان سمجھتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ پسماندہ کماؤ طبقہ اخلاق سے گر گیا۔

زمانہ مدتوں چلتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی ذہن کو یہ توفیق عطا کی کہ مشینری ایجاد کرے۔ یہاں سے صنعت و حرفت کا دور شروع ہوتا ہے، یہ دور بھی اپنے ساتھ بڑی بڑی مصیبتیں لایا۔ مشینوں کے مالکوں نے ان پر بڑے بڑے ستم ڈھائے۔ ایک ایسا وقت آگیا تمام سرمایہ داروں کا خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ یہ فلسفہ خدا کے وجود کا انکار کرتا ہے، اس کا نعرہ ہے:-

کسانو، بہادرو، مزدورو! یہ بڑی بڑی بلڈنگیں، بڑے بڑے محلات تمہاری کمائی کے ہیں۔ ان پر قبضہ کرلو، جو مذہب اور کلچر اس کے آڑے آئے، اس کو مٹا دو۔ یاد رکھو! اگر یہ لادینی کا فلسفہ غالب آگیا۔ اس میں تمہاری اور تمہارے مذہب کی خیر نہیں اگر زندہ رہنا چاہتے تو ایسے فلسفہ کو قبول کرو، جس کے ذریعہ خدا کو بھی مانتے رہو، اور غریب کی خبر گیری بھی کرتے رہو۔ جس کی ترجمانی امام ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے اگر تمہارے امراء نے تمہارے غرباء کی خبر گیری نہ کی تو تمہارا حشر وہی ہوگا جو بخارے کے مسلمانوں کا ہوا۔ بخارے کے اندر عربی کی ایک یونیورسٹی تھی جس میں ستر ہزار عربی علوم کے پڑھنے والے طلبہ موجود تھے۔ ترکی کی جو سیاسی طاقت تھی۔ وہ آپ کے ملک کی سیاسی طاقت نہیں ہے۔ جس انقلاب کے سامنے ترکی کی مذہبیت نہ ٹھہری اس کے سامنے تم کیسے ٹھہر سکتے ہو؟ جب غریب کی جھونپڑی سے انقلاب اٹھتا ہے وہ امیر کے گھر کو بھی پیوست زمین کر کے جاتا ہے یہ مانا کہ تم سیاسی طور پر آزاد ہو گئے لیکن دماغ دوسروں کے ہوں گے۔ زبانیں تمہاری ہوں گی۔ اگر تم انقلابی بننا چاہتے ہو تو کتاب و سنت کے اعتبار سے انقلابی بنو۔ انگریز مر گیا۔ میرے مرنے کے تین سال بعد انگریز ہندوستان

سے چلا جائے گا۔ اگر نہ گیا تو میری قبر پر آکر کہنا کہ انگریز تو یہاں بیٹھا ہے - میں قبر سے جواب دوں گا کہ میں نے انگریز کی بیخ و بنیاد کو اکھاڑ دیا ہے - اب وہ ہندوستان میں نہیں رہ سکتا۔ عنقریب تم مجھے یاد کرو گے - میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

وفات مولانا عبیداللہ ۲۲ر اگست ۱۹۴۴ء ——— یوم آزادی ۱۹۴۷ء

اذاں دی کعبہ میں ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

مولانا صاحب نے خطبات و مقالات کے ذریعہ درس و تدریس فرداً فرداً عام مجمعوں میں اپنے خیالات و افکار کی اشاعت کی۔ وہ ایک اساس پر ہندوستان کے مسلمانوں کی نئی تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ اپنے سیاسی خیالات کی نشر و اشاعت کے لیے متعدد درس گاہیں اور ادارے بنائے - وہ چاہتے تھے کہ مسلمان موجودہ پست زندگی سے نکل کر عزت و اقبال کے بلند مرتبے پر پہنچ جائیں۔ ہندوستان کے مسائل کو مولانا نے نئے انداز سے سوچا اور ایک نیا لائحہ عمل تیار کیا ۔چونکہ بدقسمتی سے لیگ اور کانگریس کے نزاع نے اس ملک میں ایک خطرناک بحران پیدا کر رکھا تھا - عام سیاسی جماعتیں دو گروہوں میں تقسیم ہو چکی تھیں - اس کے لیے ان کے بے نظیر دماغ اور غیر معمولی انقلابی قوتوں سے ہماری سیاسی جماعتوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ مولانا نے اپنی قوم کو کھلے طور پر بھی بلایا - ان سے برملا باتیں کہیں جلوت میں، خلوت میں، ان کو جھنجھوڑا، مسلمانوں کے ہر طبقہ سے خطاب کیا - ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۴ء تک سستانے کا نام نہیں لیا - مولانا نے اپنی علمی سرگرمیوں کے تین مرکز بنائے ، ایک لاہور، ایک دہلی اور ایک سندھ میں سندھ میں ایک عرصہ تک پہلے کام کر چکے تھے اور سندھ سے مولانا کو محبت بھی تھی - دہلی میں جامعہ ملیہ میں ۱۷ر نومبر ۱۹۴۰ء میں ایک بیت الحکمت کا افتتاح کیا - ایک مرکزی بیت الحکمت دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا میں کھولا - ایک شاخ مظہر العلوم کراچی میں ، اور ایک شاخ لاہور میں قائم کی - لاہور کی شاخ کی مولانا احمد علی لاہوریؒ کے شاگردوں

نے فاروق گنج میں بنیاد ڈالی۔

مولانا نے اپنے بیت الحکمت میں علاوہ قرآن پاک کے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تالیفات کی تعلیم لازمی قرار دے دی۔ تجدید و اصلاح کی غرض سے قدامت وجمود کے پردوں کو چاک کرنے کے لیے آپ نے متعدد انقلاب انگیز کتابیں لکھیں جن کی اشاعت سندھ ساگر اکادمی لاہور کر رہی ہے۔ ان میں سے ایک کتاب "کابل میں سات سال" ذاتی ڈائری ہے۔ حضرت مولانا کی یہ خودنوشت روئداد ہماری تاریخ کے نازک دور کا مرقع ہے۔ ایک کتاب "شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ ایک کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" ہے۔ یہ کتاب شاہ ولی اللہ کے حکمت و فلسفہ پر ایک نادر اور بے مثال کتاب ہے۔

الغرض یہ عدیم المثال نابغہ روزگار ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو بمقام دینپور (ریاست بہاولپور) اس دارفانی سے انتقال فرما گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ مرحوم ومغفور، خواجہ عبدالحیٔ فاروقی پروفیسر جامعہ ملیہ وصدر شعبہ اسلامیات اسلامیہ کالج لاہور خصوصیت سے آپ کے علمی فیضان کی یادگار تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نورانی کرے۔ آمین